ضمیمہ جاء الحق

قہر کبریا منکرین عصمت انبیاء

دیو بندیوں کی دریدہ دہنی اور توہین انبیاء نے لوگوں کو بارگاہ انبیاء میں بے ادبی کرنے پر دلیر کر دیا۔ ہندوستان میں ایک فرقہ وہ بھی پیدا ہو گیا جو انبیائے کرام کو معاذ اللہ گنہگار بلکہ مشرک کافر بھی کہتا ہے کہ وہ سب حضرات خاکش بدہن پہلے مشرک و کفار تھے۔ اور گناہ کبائر کے مرتکب بھی۔ پھر توبہ کرکے نبی ہوئے میرے پاس صرف چوب قلم ہے اور کچھ اوراق جس سے ان عقائد باطلہ کی تردید کرتا ہوں اور ناز کرتا ہوں کہ میری عزت و آبرو زبان و قلم عظمت انبیاء کے لیے ڈھال بنے سیدنا حسان نے کیا خوب فرمایا۔ ؎

فان ابی و والدتی و عرضی ” لعرض محمدٍ منکم وقاء

یہ رسالہ بہت دن ہوئے الفقیہ میں قسط وار شائع ہوا۔ مسلمانوں کے اصرار پر جاء الحق کے دوسرے ایڈیشن میں بطور ضمیمہ درج کرتا ہوں۔ رب تعالیٰ قبول فرما کر نافع خلائق بنائے اس میں ایک مقدمہ اور دو باب ہیں۔

مقدمہ

گناہ چند طرح کے ہیں: شرک، کفر، کبائر، صغائر، پھر صغائر دو قسم کے، بعض وہ جو نائت اور ذالت طبع پر دلالت کرتے ہیں، جیسے چوری، کم تولنا وغیرہ۔ اور بعض ایسے نہیں۔ پھر ان گناہوں میں بھی دو نوعتیں ہیں۔ عمداً اور سہواً۔ نیز انبیائے کرام کی بھی دو حالتیں ہیں۔ ایک ظہور نبوت سے پہلے کا وقت۔ دوسرے ظہور نبوت کے بعد۔ انبیائے کرام شرک، کفر بدعقیدگی گمراہی اور ذلیل حرکتوں سے ہر وقت بفضلہٖ تعالیٰ معصوم ہیں کہ وہ حضرات نبوت سے پہلے اور اس کے بعد عمداً سہواً ایک آن کے لیے بھی بدعقیدہ نہیں ہو سکتے کیونکہ وہ عارف باللہ پیدا ہوتے ہیں، مدارج اور مواہب میں ہے کہ آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے پیدا ہوتے ہی ساق عرش پر لکھا ہوا پایا: لآ الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ اس سے آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا پیدائشی عارف باللہ ہونا بھی ثابت ہوا۔ اور بغیر استاذ پڑھا لکھا ہونا بھی کہ پیدا ہوتے ہی لکھی ہوئی تحریر پڑھ لی۔ عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے پیدا ہوتے ہی فرمایا:

انی عبداللہ اٰتٰنی الکتٰب وجعلنی نبیاo (مریم:۳۰)

ترجمہ: میں اللہ کا بندہ ہوں کہ مجھے اس نے کتاب عطا فرمائی اور نبی بنایا۔

نیز فرمایا:

واوصٰنی بالصلوٰۃ والزکوٰۃ ما دمت حیا وبرا ابوالدتیo (مریم:۳۱)

ترجمہ: یعنی مجھے تاحین حیات نماز، زکوٰۃ کا حکم دیا اور میں اپنی والدہ سے اچھا سلوک کرنیوالا بھی ہوں۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ جناب مسیح بوقت پیدائش ہی حکمت نظری یعنی رب کی ربوبیت اپنی نبوت اور عطائے انجیل کو بھی جانتے ہیں اور حکمت عملی، تہذیب، اخلاق و تدبیر منزل سے بھی باخبر ہیں۔ حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بچپن شریف میں ہی اپنی کافر قوم پر توحید کی ایسی قوی حجت قائم فرمائی کہ سبحان اللہ آفتاب و چاند تاروں کے ڈوبنے اور ان کے حالات بدلنے کو ان کی مخلوقیت کی دلیل بنایا کہ تاروں کو دیکھ کر فرمایا: ھٰذا ربی ''اے کافرو! کیا رب میرا یہ ہوسکتا ہے؟'' اور ڈوبتا دیکھ کر فرمایا لا حب اللاٰفلین (انعام:۷٦) ''کہ میں ڈوبنے والوں کو پسند نہیں کرتا'' بچپن شریف کی اس ساری گفتگو پاک پر بوعلی سینا اور فارابی کی ساری منطق قربان۔ اسی کو منطقی لوگ یوں بیان کرتے ہیں۔ العالم متغیر کل متغیر حادث لھٰذا العالم حادث (عالم متغیر ہے اور ہر متغیر حادث ہے لہٰذا عالم حادث ہے) پھر یوں کہتے ہیں کہ العالم حادث ولا شیء من الحادث بمعبود فالعالم لیس بمعبود (عالم حادث ہے اور کوئی حادث معبود نہیں ہے لہٰذا عالم معبود نہیں ہے) اس طرز استدلال کو رب نے پسندیدگی کی سند بخش کر فرمایا: وتلك حجتنآ اٰتینھآ ابرٰھیم علٰی قومہٖ (انعام:۸۳) حضور سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پیدا ہوتے ہی سجدہ فرما کر امت کی شفاعت فرمائی۔ (مدارج، مواہب) معلوم ہوا کہ رب کو، اپنے کو، اپنے مراتب کو اور اپنے درجات کو نیز امت مرحومہ کو جانتے پہچانتے پیدا ہوئے ہیں۔ بچپن میں بچوں نے کھیل کی رغبت دی۔ تو انہیں وہ جواب دیا کہ جس پر ارسطو و افلاطون کی ساری حکمتیں قربان۔ وہ ہی ایک جواب انسانی زندگی کا اصل مقصد ہے۔ فرمایا: ماخلقنا لھٰذا ''ہم اس لیے پیدا نہیں ہوئے'' رب نے اس کی تائید یوں فرمائی کہ وما خلقت الجن والانس الا لیعبدونo (الذاریات:۵٦) خود فرماتے ہیں: صلی اللہ علیہ وسلم کنت نبیا واٰدم بین المآ والطینo ''ہم اس وقت نبی تھے جبکہ آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام آب و گل میں جلوہ گر تھے۔'' تفسیرات احمدیہ میں لاینال عھدی الظّٰلمینo (بقرہ:۱۲۴) کی تفسیر فرماتے ہیں۔

انھم معصومون عن الکفر قبل الوحی وبعدہٗ باجماعo

ترجمہ: انبیاء کرام وحی سے پہلے اور وحی کے بعد کفر سے معصوم ہیں۔

اس مختصر سی گفتگو سے معلوم ہوا کہ حضرت انبیاء کرام عارف باللہ پیدا ہوتے ہیں ان کا دامن عصمت گمراہی سے کبھی بھی داغدار نہیں ہوسکتا۔ رہے گناہ، ان کی تفصیل یہ ہے کہ انبیاء کرام، ارادۃ گناہ کبیرہ کرنے سے ہمیشہ معصوم ہیں کہ جان بوجھ کر نہ تو نبوت سے پہلے گناہ کبیرہ کر سکتے ہیں اور نہ اس کے بعد۔ ہاں نسیاناً خطاً صادر ہو سکتے ہیں مگر اس پر قائم نہیں رہتے۔ بلکہ رب کی طرف سے انہیں متوجہ کر دیا جاتا ہے۔ اور وہ اس سے علیحدہ ہو جاتے ہیں۔ گناہ صغائر میں سے ذلیل حرکتوں سے ہمیشہ معصوم کہ نبوت سے پہلے اور بعد ان سے کبھی بھی ایسی حرکتیں صادر نہیں ہوتیں جو دنائت اور چھچھورے پن پر دلالت کریں اور وہ صغائر جو ایسے نہ ہوں انبیاء سے صادر ہو سکتے ہیں۔ یہ بھی خیال رہے کہ یہ تفصیل ان امور میں ہے جن کا تعلق تبلیغ سے نہیں۔ رہے احکام تبلیغیہ، ان میں کمی بیشی کرنے یا چھپانے سے انبیاء ہمیشہ معصوم ہیں کہ یہ حرکت ان سے نہ تو جان بوجھ کر صادر ہو نہ خطاً۔ یہ بھی خیال رہے کہ گناہوں کی یہ تفصیل دیگر انبیاء کرام کے لیے ہے کہ ان سے بعض گناہ صغیرہ صادر ہو سکتے ہیں۔ مگر سید الانبیاء حضور محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے متعلق امت کا اجماع ہے کہ آپ سے کبھی بھی کسی قسم کا گناہ صادر نہیں ہوا۔ یعنی ظہور نبوت سے پہلے اور اس کے بعد آپ نے کوئی بھی گناہ صغیرہ یا کبیرہ عمداً نہیں کیا چنانچہ تفسیرات احمدیہ میں آیت لاینال عھدی الظّٰلمین o کی تفسیر میں ہے:

لاخلاف لاحد فی ان نبینا علیه الصلوٰۃ والسلام لم یرتکب صغیرۃ و کبیرۃ طرفة عین قبل الوحی وبعدہٗ کما ذکرہٗ ابو حنیفة فی الفقه الاکبر o (اس میں کسی ایک شخص کا بھی اختلاف نہیں ہے کہ بے شک ہمارے نبی صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے ایک لمحے کے لیے بھی کسی صغیرہ یا کبیرہ گناہ کا ارتکاب نہ کیا نہ وحی سے پہلے نہ بعد میں جیسا کہ امام ابوحنفیہ نے فقہ اکبر میں ذکر کیا)

تفسیر روح البیان آیت ما کنت تدری ماالکتٰب (شوریٰ:۵۲) کی تفسیر میں ہے:

یدل علیه انهٗ علیه السلام قیل لهٗ ھل عبدت وثنا قط قال لا قیل ھل شربت خمرا قط قال لا فمازلت اعرف ان الذی ھم علیه کفر o

ترجمہ: یعنی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے پوچھا گیا کہ آپ نے کبھی بت پرستی کی تھی؟ فرمایا نہیں۔ کیا آپ نے کبھی شراب استعمال فرمائی؟ فرمایا نہیں۔ ہم تو ہمیشہ سے جانتے تھے کہ اہل عرب کے یہ عقیدے کفر ہیں۔

پہلا باب

عصمت انبیاء کا ثبوت

عصمت انبیاء قرآنی آیات اور احادیث صحیحہ، اجماع امت دلائل عقلیہ سے ثابت ہے اس کا انکار وہ ہی کرے گا جس کے پاس دل ودماغ کی آنکھیں نہ ہوں۔

قرآنی آیات

(۱) رب تعالیٰ نے شیطان سے فرمایا:

ان عبادی لیس لك علیهم سلطن o (حجر:۴۲)

ترجمہ: اے ابلیس میرے خاص بندوں پر تیری دسترس نہیں۔

(۲) شیطان نے خود بھی اقرار کیا تھا:

و لا غوینهم اجمعین o الا عبادك منهم المخلصین o (حجر:۴۰)

ترجمہ: کہ اے مولیٰ! میں ان سب کو گمراہ کردونگا سوا تیرے خاص بندوں کے۔

معلوم ہوا کہ انبیاء کرام تک شیطان کی پہنچ نہیں اور وہ انہیں نہ تو گمراہ کرسکے اور نہ بے راہ چلا سکے پھر ان سے گناہ کیونکر سرزد ہوں۔ تعجب ہے کہ شیطان تو انبیاء کو معصوم مان کر ان کے بہکانے سے اپنی معذوری ظاہر کرے مگر اس زمانہ کے بے دین ان حضرات کو مجرم مانیں۔ یقیناً یہ شیطان سے بدتر ہیں۔

(۳) یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا تھا:

ما کان لنآ ان نشرك بالله من شیءٍ o (یوسف:۳۸)

ترجمہ: ہم گروہ انبیاء کیلئے لائق نہیں کہ خدا کے ساتھ شرک کریں۔

(۴) حضرت شعیب علیہ السلام نے اپنی قوم سے فرمایا تھا:

ما ارید ان اخالفكم الٰی مآنهٰكم o (هود:۸۸)

ترجمہ: میں اس کا ارادہ بھی نہیں کرتا کہ جس چیز سے تمہیں منع کروں خود کرنے لگوں۔

معلوم ہوا کہ انبیائے کرام شرک اور گناہ کرنے کا کبھی ارادہ نہیں فرماتے، یہ ہی عصمت کی حقیقت ہے۔

(۵) یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:

وما ابری نفسی ان النفس لامارۃ بالسوٓء الا مارحم ربیo(یوسف:۵۳)

ترجمہ: یہاں یہ نہ کہا کہ میرا نفس برائی کا حکم کرتا ہے بلکہ یہ فرمایا کہ عام نفوس انسانوں کو برائی کا حکم کرتے ہیں سوا ان نفوس کے جن پر رب رحم فرمائے اور وہ نفوس انبیاء ہیں۔معلوم ہوا کہ ان حضرات کے نفوس انہیں فریب دیتے ہی نہیں۔

(٦) رب تعالیٰ فرماتا ہے:

ان اللہ اصطفٰٓی اٰدم و نوحاو اٰل ابرٰھیم وٰل عمرٰن علی العلمینo(آل عمران:۳۳)

ترجمہ: جس سے معلوم ہوا کہ انبیاء کرام سارے جہاں سے افضل ہیں اور جہان میں تو ملائکہ معصومین بھی داخل۔ملائکہ کی صفت یہ ہے کہ

لایعصون اللہ مآ امرھمo(تحریم:٦)

ترجمہ: وہ کبھی نافرمانی کرتے ہی نہیں۔

اگر انبیاء گنہگار رہوں تو ملائکہ ان سے بڑھ جائیں۔

(۷) رب تعالیٰ فرماتا ہے:

لاینال عھدی الظٰلمینo(بقرہ:۱۲۴)

ترجمہ: ہمارا عہد نبوت ظالمین یعنی فاسقین کو نہ ملے گا۔

معلوم ہوا کہ فسق و نبوت جمع ہو سکتے ہی نہیں۔قرآن کریم نے انبیاء کرام کے اقوال کو نقل فرمایا:

لیس بی ضللۃ و لکنی رسول من رب العلمینo(اعراف:٦١)

ترجمہ: اے میری قوم! مجھ میں بالکل گمراہی نہیں لیکن میں رب العٰلمین کا رسول ہوں۔

لکنی سے معلوم ہوا کہ گمراہی اور نبوت کا اجتماع نہیں ہوسکتا کیونکہ نبوت نور ہے اور گمراہی تاریکی نور و ظلمت کا اجتماع ناممکن ہے۔

احادیث

(۱) مشکوٰۃ باب الوسوسہ میں ہے کہ ہر شخص کے ساتھ ایک شیطان رہتا ہے جسے قرین کہا جاتا ہے۔مگر میرا

قرین مسلمان ہوگیا لہٰذا اب وہ مجھے نیک مشورہ ہی دیتا ہے۔

(۲) اسی مشکوٰۃ باب الوسوسہ میں ہے کہ ہر بچے کو بوقت ولادت شیطان مارتا ہے مگر عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو پیدائش میں چھو بھی نہ سکا معلوم ہوا کہ یہ دو پیغمبر شیطانی وسوسہ سے بھی محفوظ ہیں۔

(۳) مشکوٰۃ کتاب الغسل سے معلوم ہوتا ہے کہ انبیائے کرام کو خواب سے احتلام نہیں ہوتا کہ اس میں شیطانی اثر ہے بلکہ ان کی بیبیاں بھی احتلام سے پاک ہیں۔

(۴) انبیائے کرام کو جماہی نہیں آتی کیونکہ یہ بھی شیطانی اثر ہے۔اسی لیے اس وقت لا حول پڑھتے ہیں۔

(۵) مشکوٰۃ شریف باب علامات نبوت میں ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا سینہ مبارک چاک کر کے اس میں سے ایک پارۂ گوشت نکال دیا گیا اور کہا گیا کہ یہ شیطانی حصہ ہے۔معلوم ہوا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا نفس قدسیہ شیطانی اثر سے پاک ہے اور پھر اسے ماء زمزم سے دھویا گیا۔

(۶) مشکوٰۃ شریف باب مناقب عمر میں ہے۔عمر رضی اللہ عنہ جس راستہ سے گزرتے ہیں وہاں سے شیطان بھاگ جاتا ہے۔معلوم ہوا کہ جن پر پیغمبر کی نظر کرم ہو جائے وہ بھی شیطان سے محفوظ رہتے ہیں پھر خود ان حضرات کا کیا پوچھنا۔

اقوال علماء امت

ہمیشہ سے امت مصطفیٰ ﷺ کا عصمت انبیاء پر اجماع رہا، سوا فرقہ ملعونہ حشویہ کے کوئی اس کا منکر نہ ہوا۔چنانچہ شرح عقائد نسفی، شرح فقہ اکبر، تفسیرات احمدیہ، تفسیر روح البیان، مدارج النبوۃ، مواہب لدنیہ، شفا شریف، نسیم الریاض وغیرہ میں اس کی تصریح ہے۔

تفسیر روح البیان آیت ما کنت تدری ما الکتٰب الآیہ (شوریٰ:۵۲) کی تفسیر میں ہے:

فان اهل الوصول اجتمعو ا علٰی ان الرسل علیهم السلام، کانوا مومنین قبل الوحی معصومین من الکبائر و من الصغائر الموجبة لنفرة الناس عنهم قبل البعثة وبعدها فضلا عن الکفرo

ترجمہ: یعنی اس پر اتفاق ہے کہ انبیائے کرام وحی سے پہلے مومن تھے اور گناہ کبیرہ نیز ان صغائر سے جو نفرت کا باعث ہوں نبوت سے پہلے معصوم تھے اور بعد بھی چہ جائیکہ کفر۔

تفسیرات احمدیہ میں ہے:

انهم معصومون عن الکفر قبل الوحی وبعدهٗ بالاجماع و کذا عن تعمد الکبائر عند

الجمہور o

ترجمہ: انبیائے کرام کفر سے قبل وحی اور بعدہ، بالاتفاق معصوم ہیں ایسے ہی عام علماء کے نزدیک دیدہ و دانستہ گناہ کبیرہ کرنے سے بھی معصوم ہیں۔

غرضکہ امت مرحومہ کا اجماع انبیائے کرام کی عصمت پر ہے اور یہ بالکل ظاہر ہے اس کے لیے زیادہ عبارتیں نقل کرنے کی ضرورت نہیں۔

عقلی دلائل

عقل بھی چاہتی ہے کہ انبیائے کرام کفر وفسق سے ہمیشہ معصوم ہوں چند وجوہ سے:

(۱) کفر یا تو عقائد کی بے خبری سے ہوتا ہے یا نفس کی سرکشی سے یا شیطان کے اغوا سے اور ہم پہلے ثابت کر چکے ہیں کہ انبیائے کرام عارف باللہ پیدا ہوتے ہیں نیز ان کے نفوس پاک ہیں اور وہ شیطانی اغوا سے محفوظ ہیں جب یہ تینوں وجہیں نہیں تو ان سے کفر اور فسق کیونکر سرزد ہو۔

(۲) فسق بھی نفس امارہ یا شیطان کے اثر سے ہے اور وہ حضرات ان دونوں سے محفوظ ہیں۔

(۳) فاسق کی مخالفت ضروری ہے اور نبی کی اطاعت فرض کہ بہرحال ان کی فرمانبرداری کی جائے اگر نبی بھی فاسق ہو تو ان کی اطاعت بھی ضروری اور مخالفت بھی اور یہ اجتماع ضدین ہے۔

(۴) فاسق کی بات بلاتحقیق نہ ماننی چاہیے۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے:

ان جآ ء کم فاسق بنبا فتبینوآ o (حجرات:۶)

ترجمہ: اگر کوئی فاسق تمہارے پاس کوئی خبر لائے تو تحقیق کرلو۔

اور نبی کی ہر بات ماننی فرض ہے۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے:

وما کان لمومن ولا مومنة اذا قضی اللہ و رسولہ امرا ان یکون لھم الخیرة o (احزاب:۳۶)

ترجمہ: اور نہ کسی مسلمان مرد اور نہ مسلمان عورت کو پہنچتا ہے کہ جب اللہ اور رسول کچھ حکم فرما دیں تو انہیں اپنے معاملے کا کچھ اختیار رہے۔

اگر نبی بھی فاسق ہوں تو ان کی بات بلاتحقیق ماننا بھی ضروری اور نہ ماننا بھی۔ اور یہ اجتماع نقیضین ہے۔

(۵) گنہگار سے شیطان راضی ہے اسی لیے وہ حزب الشیطان میں داخل ہے اور نیکوکار سے رحمان خوش۔ اسی لیے وہ حزب اللہ میں سے ہے۔ اگر پیغمبر ایک آن کے لیے بھی گنہگار رہوں تو معاذ اللہ وہ شیطانی گروہ میں سے ہوں گے اور یہ ناممکن ہے۔

(۶) فاسق سے متقی افضل رب تعالیٰ فرماتا ہے:

ام نجعل المتقین کالفجارo (ص:۲۸)

ترجمہ: ''یا ہم متقیوں کو فاجروں کے برابر ٹھہرادیں۔''

اگر نبی کسی وقت گناہ کریں اور اس وقت ان کا امتی نیکی کررہا ہو تو لازم آوے گا کہ امتی اس گھڑی نبی سے افضل ہو اور یہ باطل ہے۔ کوئی امتی ایک آن کے لیے بھی نبی کے برابر نہیں ہوسکتا۔

(۷) بدعقیدہ کی تعظیم حرام ہے حدیث میں ہے:

من وقر صاحب بدعة فقد اعان علٰی هدم الاسلامo

ترجمہ: جس نے بدعقیدہ کی تعظیم کی اس نے اسلام ڈھانے پر مدد دی۔

اور نبی کی تعظیم واجب، رب تعالیٰ فرماتا ہے:

وتعزروہ وتوقروہoo (فتح:۹)

ترجمہ: ''اور رسول کی تعظیم وتوقیر کرو۔''

اگر نبی ایک آن کیلئے بے دین ہوں تو ان کی تعظیم واجب بھی اور حرام بھی تو یہ اجتماع ضدین ہے۔

(۸) گنہگاروں کی بخشش حضور کے وسیلہ سے ہے۔ رب فرماتا ہے:

ولو انهم اذ ظلمنوٓا انفسهم جآء وك الاٰيةo (النساء:۶۴)

ترجمہ: ''اور اگر جب وہ اپنی جانوں پر ظلم کریں تو اے محبوب تمہارے حضور حاضر ہوں۔''

اس آیت میں عام مجرمین کو بارگاہ مصطفوی میں حاضر ہوکر ان کے وسیلہ سے استغفار کرنے کی دعوت دی گئی۔ اگر خاکش بدہن آپ کا دامن عفت گناہوں سے آلودہ ہو تو بتاؤ پھر آپ کا وسیلہ کون ہوگا؟ اور کس کے ذریعے آپ کی معافی ہوگی۔ جو سب مجرموں کا وسیلہ مغفرت ہو، ضروری ہے کہ وہ جرموں سے پاک ہو اگر وہ بھی گنہگار رہو تو پھر ترجیح بلا مرجح کا سوال پیدا ہوگا اور دور یا تسلسل لازم ہوگا۔

(۹) قیمتی چیز قیمتی برتن میں رکھی جاتی ہے، موتی کا ڈبہ بھی قیمتی ہوتا ہے، سنہری زیورات کا بکس بھی قیمتی۔ دودھ کا برتن بھی ہر گندگی و ترشی سے محفوظ رکھا جاتا ہے تا کہ دودھ خراب نہ ہوجائے۔ کارخانہ قدرت میں نبوت بڑی ہی انوکھی اور بے بہا نعمت ہے تو چاہیے کہ اس کا ظرف یعنی انبیاء کے دل کفر و فسق اور ہر قسم کی گندگی سے پاک وصاف ہوں اسی لیے رب نے فرمایا:

اللہ اعلم حیث یجعل رسالتہٗ o (انعام:۱۲۴)

ترجمہ: اللہ ہی ان نفوس کو جانتا ہے جو اس کی رسالت کے لائق ہیں۔

(۱۰) فاسق اور فاجر کی خبر بغیر گواہی قابل اعتماد نہیں۔ اگر انبیائے کرام بھی فاسق ہوتے تو انہیں اپنی ہر خبر پر گواہی پیش کرنا ہوتی حالانکہ ان کا ہر قول صدہا گواہیوں سے بڑھ کر ہے۔ حضرت ابوخزیمہ انصاری نے اونٹ کے متعلق یہ ہی تو کہا تھا کہ یا حبیب اللہ اونٹ کی تجارت، جنت، دوزخ، حشر ونشر سے بڑھ کر نہیں۔ جب ہم آپ سے سن کر ان پر ایمان لے آئے تو اس زبان سے سن کر یہ کیوں نہ مان لیں کہ واقعی آپ نے اونٹ لیا ہے جس کے انعام میں ان ایک کی گواہی دو کے برابر کردی۔

دوسرا باب

عصمت انبیاء پر اعتراضات وجوابات

آئندہ اعتراضات کے تفصیلی جوابات سے پہلے بطور مقدمہ اجمالی جواب عرض کیے دیتا ہوں جس سے بہت سے اعتراضات خود بخود اڑھ جائیں گے وہ یہ کہ عصمت انبیاء قطعی واجماعی مسئلہ ہے اور احادیث جن سے پیغمبروں کا گناہ ثابت ہے اگر متواتر اور قطعی نہیں بلکہ مشہور احادہ ہیں وہ سب مردود، کوئی بھی قابل اعتبار نہیں اگرچہ صحیح ہی ہوں۔

تفسیر کبیر سورۂ یوسف کی تفسیر میں ہے کہ جو احادیث خلاف انبیاء ہوں وہ قبول نہیں۔ راوی کو جھوٹا ماننا، پیغمبر کو گنہگار ماننے سے آسان ہے اور وہ قرآنی آیات اور متواتر روایات جن سے ان حضرات کا جھوٹ یا کوئی اور گناہ ثابت ہوتا ہو، سب واجب التاویل ہیں کہ ان کے ظاہری معنی مراد نہ ہوں گے یا کہا جائیگا کہ یہ واقعات عطائے نبوت سے پہلے کے تھے۔

تفسیرات احمدیہ شریف آیت لاینال عھدی الظّٰلمین o (بقرۃ:۱۲۴) کی تفسیر میں ہے:

واذا تقرر ھٰذا فما نقل عن الانبیاء مما یشعر بکذب او معصیۃ فما کان منقولا بطریق

الاحاد فمردود وما کان منقولا بطریق التواتر فمصروف عن ظاهرهٖ ان امکن والا محمول علٰی ترك الاولیٰ او کونهٖ قبل البعثة٥

مدارج النبوۃ شریف جلداول باب چہارم میں تو فرمایا کہ اس قسم کی آیتیں متشابہات کی مثل ہیں جن میں خاموشی لازم۔ دیکھو رب تعالیٰ کا قدوس، غنی، علیم، قادر مطلق بلکہ تمام صفات کمالیہ سے موصوف ہونا قطعی اجماعی ہے مگر بعض آیتیں ظاہری معنی کے لحاظ سے اس کے بالکل خلاف ہیں۔ رب فرماتا ہے:

یخٰدعون الله وهو خادعهم٥ (النساء:۱۴۲)

ترجمہ: وہ رب کو دھوکہ دیتے ہیں رب انہیں۔

اور فرماتا ہے:

ومکروا ومکر الله٥ (آل عمران:۵۴)

ترجمہ: انہوں نے مکر کیا اور اللہ نے۔

اور فرماتا ہے:

فاینما تولوا فثم وجه الله٥ (بقرہ:۱۱۵)

ترجمہ: جدھر تم منہ کرو ادھر ہی رب کا منہ ہے۔

فرماتا ہے:

یدالله فوق ایدیهم٥ (فتح:۱۰)

ترجمہ: ان کے ہاتھوں پر اللہ کا ہاتھ ہے۔

فرماتا ہے:

ثم استوٰی علی العرش٥ (یونس:۳)

ترجمہ: پھر اللہ تعالیٰ عرش پر مستوی ہو گیا۔

رب تعالیٰ چہرہ، ہاتھ، برابری، مکر اور دھوکا سے پاک اور منزہ ہے اور ان آیتوں میں بظاہر یہ ہی ثابت ہو رہا ہے لہٰذا واجب ہے کہ ان میں تاویل کی جائے بلکہ ان کے حقیقی معنی خدا کے سپرد کیے جائیں جو کوئی ان آیتوں کی وجہ سے رب کو عیب دار مانے وہ بے ایمان ہے۔ ایسے ہی جو کوئی بعض آیتوں کے ظاہری معنی کر کے انبیائے کرام کو فاسق یا

مشرک جانے وہ بے دین ہے۔ یہ ایک جواب ہی انشاءاللہ تمام اعتراضات کی جڑ کاٹ دے گا مگر پھر بھی ہم کچھ تفصیلی جواب عرض کیے دیتے ہیں۔

اعتراض ا: ابلیس نے بھی سجدہ نہ کر کے خدا کی نافرمانی کی اور آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بھی گندم کھا کر یہ ہی جرم کیا ہے۔ دونوں کو سزا بھی یکساں دی گئی کہ اسے فرشتوں کی جماعت سے اور انہیں جنت سے خارج کر دیا گیا۔ جرم و سزا میں دونوں برابر ہوئے بعد میں آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے توبہ کر کے معافی حاصل کر لی۔ ابلیس نے یہ نہ کیا۔ معلوم ہوا کہ آپ معصوم نہ تھے۔ (ملحد شحنہ شریعت کانپور)

جواب: شیطان سجدہ نہ کرنے میں مجرم بھی تھا اور سزا یاب بھی ہوا۔ آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام گندم کھانے میں نہ گنہگار تھے اور نہ انہیں کوئی سزا دی گئی۔ کیونکہ شیطان نے دیدہ دانستہ سجدہ سے انکار ہی نہ کیا بلکہ حکم رب کو غلط سمجھ کر اس کے بالمقابل گفتگو کرنے کی ہمت کی کہ بولا:

خلقتنی من نار و خلقتهٗ من طین٥ (اعراف:۱۲)

ترجمہ: ”تو نے مجھے آگ سے بنایا اور اسے مٹی سے بنایا۔“

جس کی سزا میں فرمایا گیا کہ:

قال فاخرج منها فانك رجیم٥ وان علیك لعنتیٓ الٰی یوم الدین٥ (ص:۷۸)

ترجمہ: ”فرمایا تو جنت سے نکل جا تو راندھا گیا اور بے شک تجھ پر میری لعنت ہے قیامت تک۔“

گویا یہ زمین اس کے لیے کالے پانی کی طرح سزا کی جگہ تجویز کی گئی کہ وہ قیامت تک یہاں ذلیل وخوار اور لاحول کے کوڑے کھاتا پھرے۔ آدم علیہ السلام کے متعلق قرآن کریم نے بار بار اعلان فرمایا کہ وہ بھول گئے انہوں نے گناہ کا ارادہ بھی نہ کیا۔

فنسی ولم نجد لهٗ عزما٥ (طٰہٰ:۱۱۵)

ترجمہ: ”تو وہ بھول گیا اور ہم نے اس کا قصد نہ پایا۔“

کہیں فرمایا:

فاز لهما الشیطٰن٥ (بقرہ:۳۶)

ترجمہ: ”تو شیطان نے انہیں لغزش دی“۔

کہیں فرمایا:

فوسوس الیه الشیطٰنo(طٰہٰ:۱۲۰)

ترجمہ: ''تو شیطان نے اسے وسوسہ دیا''۔

غرضکہ اس واقعہ کا ذمہ دار تو شیطان کو بنایا اور ان کے متعلق فرمایا کہ دھوکہ کھا گئے ان سے خطا ہوگئی دھوکا یہ ہوا کہ ان سے رب نے فرمایا تھا کہ تم اس درخت کے قریب نہ جانا۔ شیطان نے کہا کہ آپ کو کھانے کی ممانعت نہیں۔ وہاں جانے سے روکا گیا ہے۔ آپ وہاں نہ جایئے، میں لا دیتا ہوں آپ کھا لیجئے اور جھوٹی قسم کھا گیا کہ یہ پھل فائدہ مند ہے اور میں آپ کا خیر خواہ ہوں۔ آپ سمجھے کہ کوئی بھی رب کی جھوٹی قسم نہیں کھا سکتا یا لا تقربا (اعراف:۱۹) ممانعت تنزیہی سمجھے اس کی پوری تحقیق ہماری تفسیر کے پہلے پارہ میں اسی آیت کے ماتحت دیکھو۔ یہ تو عملوں میں فرق ہوا۔ اب رہا زمین پر آنا۔ رب تعالیٰ نے انہیں زمین ہی کی خلافت کے لیے پیدا کیا تھا کہ فرمایا:

انی جاعل فی الارض خلیفةo(بقرہ:۳۰)

ترجمہ: ''میں زمین میں اپنا نائب بنانے والا ہوں''۔

جنت میں تو کچھ روز اس لیے رکھا گیا تھا کہ وہاں کے مکانات اور باغات وغیرہ دیکھ کر اسی طرح زمین کو آباد کریں گویا وہ جگہ ان کی ٹریننگ کی تھی۔ کسی کو ٹریننگ سکول میں ہمیشہ نہیں رکھا جاتا۔ ان کو رلا کر اس لیے بھیجا گیا کہ تمام فرشتوں نے سوائے گریہ وزاری ساری عبادتیں کی تھیں، درد دل ہی تو وہ چیز ہے جس کی وجہ سے انسان ملائکہ سے افضل ہوا۔ جنت کا بہانہ تھا در حقیقت اپنے عشق میں رلانا تھا۔

حسنات الابرار سیات المقربینo

ترجمہ: ''ابرار کی نیکیاں مقربین کے گناہ ہیں''۔

درد دل کے واسطے پیدا کیا انسان کو — ورنہ طاعت کے لیے کچھ کم نہ تھے کروبیاں
اے خیال یار کیا کرنا تھا اور کیا کر دیا — تو تو پردہ میں رہا اور مجھ کو رسوا کر دیا

یہ راز وہ سمجھے جو لذت عشق سے واقف ہو۔ رب نے شیطان سے کہا تھا: فاخرج منها (ص:۷۷) اور یہاں فرمایا گیا: اهبطوا منها جمیعاً (بقرہ:۳۸) جس میں بتایا کہ تم کچھ عرصہ کے لیے زمین میں بھیجے جا رہے ہو۔ پھر اپنی کروڑہا اولاد کے ساتھ واپس یہیں آؤ گے یعنی دو جا رہے ہو اور کروڑوں کو ساتھ لاؤ گے۔

بزرگان دین فرماتے ہیں کہ آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ہم کو جنت سے نہ نکالا۔ بلکہ ہم نے انہیں وہاں سے علیحدہ کیا کیوں کہ ان کی پشت شریف میں کفار فساق سب ہی کی روحیں تھیں جو کہ جنت کے قابل نہ تھے۔حکم ہوا کہ اے آدم نیچے جا کر ان خبثاء کو چھوڑ آؤ۔ پھر آپ کی جگہ یہ ہی ہے۔(مرقات باب الایمان بالقدر وروح البیان آیت فازلمها الشیطن (بقرہ:۳۶)

(۲) شیطان کا زمین پر آنا پردیس میں آنا ہے مگر آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا یہاں آنا پردیس میں آنا نہیں کیونکہ آدم جسم اور روح کے مجموعہ کا نام ہے اوران کا جسم چونکہ زمین پر اور مٹی سے بنا لہٰذا زمین ان کا وطن جسم ہوئی اور عالم ارواح گویا وطن روح، وطن روح سے وطن جسم کی طرف آئے۔جو انسان مر کر جنت میں گیا وہ پردیس میں نہیں بلکہ وطن جسم سے وطن روح میں گیا۔مگر شیطان کی پیدائش آگ سے ہے لہٰذا زمین اس کے لیے پردیس ہوا۔

(۳) اگر آدم علیہ السلام کا زمین پر آنا عذاب ہوتا تو یہاں انہیں خلیفہ نہ بنایا جاتا۔ان کے سر پر تاج نبوت نہ رکھا جاتا،ان کی اولاد میں انبیاء واولیاء خصوصاً سید الانبیا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پیدا نہ فرمائے جاتے۔ملزم کو معافی دیکر قید سے نکالتے ہیں۔شاہی محل میں لا کر پھر اس پر انعامات کی بارش کرتے ہیں نہ کہ جیل خانہ میں ہی رکھ کر۔حقیقت یہ ہے کہ بڑوں کی ظاہری خطا چھوٹوں کے لیے عطا ہوتی ہے دنیا اور یہاں کی ساری نعمتیں اس خطائے اول کا ہی صدقہ ہیں لطف یہ ہے کہ آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کیلئے دانہ گندم کھانا خطا قرار دیا گیا۔اوران کی اولاد کے لیے وہی غذا تجویز ہوئی۔

اعتراض ۲: حضرت آدم وحوا نے اپنے ایک بیٹے کا نام عبدالحارث رکھا۔حارث شیطان کا نام ہے اس کو قرآن کریم نے فرمایا: فلمآ اٰتٰهما صالحا جعلالهٗ شرکآء (اعراف:۱۹۰) جس سے معلوم ہوا کہ آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا یہ کام شرک تھا۔ثابت ہوا کہ پیغمبر شرک بھی کر لیتے ہیں۔حاکم کی روایت میں ہے کہ اس آیت میں حضرت آدم وحوا مراد ہیں۔

جواب: آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام اس قسم کے عیب سے بالکل پاک ہیں۔معترض نے اس آیت سے دھوکا دیا۔ بہت سے مفسرین فرماتے ہیں کہ جعلا (اعراف:۱۹۰) کا فاعل قصی اور اس کی بیوی ہے کیونکہ خلقكم من نفس واحدة وخلق منها زوجها (النساء:۱) کے معنی یہ ہیں کہ اے قریش! رب نے تمہیں ایک جان یعنی قصی سے پیدا فرمایا۔اوراس قصی کی بیوی اس کی جنس سے بنائی۔قصی نے یہ غضب کیا کہ اپنے رب سے دعائیں کر کے بیٹا مانگا تھا۔ اوراس کا نام عبدالحارث رکھ دیا۔(تفسیر خزائن عرفان وغیرہ) اس صورت میں کوئی اعتراض ہی نہیں اور بعض نے فرمایا

کہ جعلا میں مضاف پوشیدہ ہے اوراس کا فاعل اولا د آدم وحوا ہی ہیں۔یعنی آدم وحوا کی بعض اولا د نے شرک شروع کر دیا۔(دیکھو روح البیان ومدارک وغیرہ) اسی لیے آگے جمع کا صیغہ ارشاد ہوا: فتعلی اللہ عما یشرکونo (اعراف:۱۹۰) اگر یہ فعل حضرت آدم وحوا کا ہوتا تو یشرکون کی بجائے تثنیہ کا صیغہ ارشاد ہوتا نیز ایک معمولی سی خطا یعنی گندم کھا لینے پر عتاب ہو گیا تھا تو چاہیے تھا کہ شرک کرنے پر بڑا سخت عذاب ہوتا لیکن بالکل نہ ہوا۔ حاکم کی یہ روایت بالکل معتبر نہیں کیونکہ وہ خبر واحد ہے اور عصمت پیغمبر یقینی وقطعی۔

اعتراض ۳: رب تعالیٰ فرماتا ہے: وعصیٰ اٰدم ربہٗ فغویٰo (طٰہٰ:۱۲۱) آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے رب کی نافرمانی کی پس گمراہ ہو گئے۔اس سے آدم علیہ الصلوٰۃ والسالم کا گناہ اور گمراہی دونوں معلوم ہوئے۔

جواب: یہاں مجازاً خطا کو عصیان فرمایا گیا اور غویٰ کے معنی گمراہی نہیں بلکہ مقصود نہ پانا ہیں۔ یعنی حیات دائمی کے لیے گندم رکھایا تھا وہ ان کو حاصل نہ ہوئی۔ بلکہ گندم سے بجائے نفع کے نقصان ہوا یعنی اپنے مقصد کی طرف راہ نہ پائی۔ دیکھو روح البیان یہی آیت۔ جب رب نے ان کے بھول جانے کا بار بار اعلان فرمایا تو عصیٰ سے گناہ ثابت کرنا کلام اللہ میں تعارض پیدا کرنا ہے۔

اعتراض ۴: ابراہیم علیہ السلام نے چاند سورج بلکہ تاروں کو اپنا خدا مانا کہ فرمایا: ھٰذا ربی (انعام:۷۷) اور یہ صریحی شرک ہے معلوم ہوا کہ آپ نے پہلے شرک کیا پھر توبہ کی۔

جواب: اس کا جواب مقدمہ میں گزرا کہ ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنی قوم سے بطریق سوال فرمایا کہ کیا یہ میرا رب ہے پھر خود ہی اسکا جواب مع دلیل بھی ارشاد کیا کہ:

لآ احب الاٰفلینo (انعام:۷۶)

ترجمہ: ”بولے مجھے خوش نہیں آتے ڈوبنے والے“۔

کیونکہ اس سے پہلے ارشاد ہوا:

وکذٰلک نریٓ ابراٰھیم ملکوت السمٰوٰت و الارض ولیکون من الموقنینo (انعام:۷۵)

ترجمہ: ”اس طرح ہم ابراہیم کو دکھاتے ہیں ساری بادشاہی آسمان اور زمین کی اور اس لیے کہ وہ عین الیقین والوں میں سے ہو جائے“۔

پھر ستارے دیکھنے کا واقعہ بیان ہوا اور بعد میں فرمایا:

وتلك حجتنآ اٰتینٰھآ ابراٰھیم علیٰ قومہٖo(انعام:۸۳)

ترجمہ: ''اور یہ ہماری دلیل ہے ہم نے ابراہیم کو اس کی قوم پر عطا فرمائی''۔

اس ترتیب سے معلوم ہوا کہ ملکوت عالم دیکھنے کے بعد ستاروں کا واقعہ ہوا اور رب نے اس کلام کی تعریف فرمائی۔ اگر یہ بات شرک تھی تو تعریف فرمانا کیسا؟ پھر تو سخت عتاب ہونا چاہیے تھا۔

اعتراض۵: ابراہیم علیہ السلام نے تین بار جھوٹ بولا کہ آپ تندرست تھے مگر قوم سے فرمایا:

انی سقیم''o(صافات)

ترجمہ: میں بیمار ہوں۔

خود بتوں کو توڑا مگر قوم کے پوچھنے پر فرمایا:

بل فعلہٗ ق کبیرھم ھذاo(انبیاء:۶۳)

ترجمہ: اس بڑے بت نے یہ کام کیا۔

اپنی بیوی حضرت سارہ کو فرمایا:

ھٰذا اختیo

ترجمہ: یہ میری بہن ہیں۔

اور یقیناً جھوٹ بولنا گناہ ہے معلوم ہوا کہ آپ معصوم نہیں۔

جواب: اس کے چند جواب ہیں: ایک یہ کہ بحالت مجبوری جبکہ جان کا خطرہ ہو تو جھوٹ گناہ نہیں حتیٰ کہ ایسی مجبوری میں منہ سے کفر بھی نکال دینے کی اجازت ہے۔

الامن اکرہ وقلبہٗ مطمن بالا یمان o(نحل:۱۰۶)

جن موقعوں پر آپ نے یہ کلام فرمائے وہاں یا تو خطرۂ جان تھا کہ خطرۂ عصمت تھا وہ ظالم بادشاہ آپ سے حضرت سارہ کو جبراً چھیننا چاہتا تھا اور دوسرے موقعوں پر آپ کو خطرہ جان تھا اس لیے یہ فرمایا روح البیان آیت بل فعلہٗ کبیرھم (انبیاء:۶۳) لہٰذا یہ فعل گناہ نہ ہوا دوسرے یہ کہ ان میں سے کوئی کلام جھوٹ نہیں بلکہ اس میں بعید معنی مراد لیے گئے ہیں جسے توریہ کہتے ہیں۔ توریہ ضرورۃ جائز ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بڑھیا سے فرمایا کہ کوئی بڑھیا

جنت میں نہ جائیگی۔ دیکھوایک شخص نے اونٹ مانگا تو فرمایا کہ تجھے اونٹنی کا بچہ دونگا۔ایک صحابی کوآنکھوں پر ہاتھ رکھ کر فرمایا کہ اس غلام کوکون خریدتا ہے؟ وغیرہ (مشکٰوۃ باب المزاح) حضرت سارہ کوبہن فرمانے سے دینی بہن مراد تھی نہ کہ نسبی۔جیسے کہ داوٗدعلیہ الصلوٰۃ والسلام کے پاس دوفرشتے بشکل مدعی ومدعیٰ علیہ حاضر ہوئے اورعرض کیا:

هٰذا اخی لهٗ تسع وتسعون نعجة ٥ (ص:٢٣)

ترجمہ: یہ میرا بھائی ہے جس کے پاس ۹۹ بکریاں ہیں۔

یہاں بھائی اوربکریوں کے مجازی معنی مراد ہیں ایسے ہی آپ کا یہ فرمانا کہ انی سقیم ٥ (صافات:٨٩) اس کے معنی ہیں میں بیمار ہونے والا ہوں نہ کہ فی الحال بیمار۔جیسے انك میت وانهم میتون ٥ (الزمر:٣٠) یا سقیم سے دلی بیماری یعنی ناراضی ورنج مراد ہے یعنی میرا دل تم سے ناراض ہے اسی طرح بل فعلهٗ کبیرهم (انبیاء:٦٣) میں کبیر سے رب تعالیٰ سے مراد ہے اور ھذا سے اسی کی طرف اشارہ ہے کیونکہ کفار رب تعالیٰ کو بڑا خدا اور بتوں کو چھوٹے معبود سمجھتے تھے یعنی یہ کام اس رب کا ہے جسے تم ان سب سے بڑا سمجھتے ہو، نبی کا کام رب کا ہی کام ہے۔وہ سمجھے کہ اس بڑے سے بڑا بت مراد ہے یا فعلهٗ شک کے طریقہ پر فرمایا یعنی بڑے بت نے کیا ہوگا اور شک انشاء ہے جس میں جھوٹ سچ کا احتمال نہیں۔سب سے بری بات یہ ہے کہ رب نے یہ واقعات بیان فرماتے ہوئے ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام پر کوئی عتاب نہ فرمایا بلکہ انہیں پسندیدگی کی سند عطا فرمائی۔چنانچہ بت شکنی کے بیان سے پہلے فرمایا: ولقد اٰتینا ابراهیم رشدهٗ الایه (انبیاء) ''اور بے شک ہم نے ابرہیم کو پہلے ہی سے اس کی نیک راہ عطا کردی۔''معلوم ہوا کہ آپ کا یہ فعل رشدوہدایت تھا اور ظاہر ہے کہ جھوٹ رشد نہیں۔بیماری کا واقعہ بیان فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا: از جاء ربهٗ بقلب سلیم ٥ اذقال لابیه الایة ٥ (صافات:٨٠) ''جب کہ اپنے رب کے پاس حاضر ہوا غیر سے سلامت دل لے کر''۔جس سے معلوم ہوا کہ یہ کلام سلامت طبیعت پر دلالت کرتا ہے اور جھوٹ بیماری ہے نہ کہ سلامتی۔

اعتراض ٦: داوٗد علیہ السلام نے پرائی عورت یعنی اوریا کی بیوی کو نظر بد سے دیکھا جس کا واقعہ سورۂ ص میں ہے اور یہ فعل یقیناً جرم ہے۔

جواب: مؤرخین نے داوٗد علیہ الصلوٰۃ والسلام کے قصہ میں بہت کچھ زیادتی کردی ہے اور جو کچھ احادیث احاد میں ہے وہ بھی نامقبول۔اسی لیے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اعلان فرمایا تھا کہ جو کوئی داوٗد علیہ الصلوٰۃ والسلام کا قصہ قصے کہانیوں کی طرح بیان کرے گا میں اسے ایک سوساٹھ کوڑے لگاوٗں گا یعنی تہمت کی سزا ۸۰ کوڑے ہیں اس کو دگنے

لگیں گے۔ (روح البیان سورۂ ص قصہ داؤد) واقعہ صرف یہ تھا کہ ایک شخص اوریا نے ایک عورت کو نکاح کا پیغام دیا۔ داؤد علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بھی اسے پیغام دے دیا۔ اس نے آپ کے ساتھ نکاح کرلیا۔ اور یہ شخص نکاح نہ کرسکا۔ چنانچہ تفسیرات احمدیہ آیت لاینال عھدی الظلمین o (بقرہ:۱۲۴) کی تفسیر میں ہے: وعن داود بکونہٖ اقداما علی افعل المشروع وھو نکاح المخطوبۃ لاوریا لاتطرۃ منکوحتہٗ o مگر چونکہ اس جائز کام سے بھی نبوت کی شان بلندو بالا ہے اس لیے رب تعالیٰ کے ہاں کتنا احترام ہے کہ نہایت عمدہ طریقہ سے انہیں معاملہ سمجھایا گیا۔ رب تو ان کی عظمت فرمائے اور یہ بے دین ان حضرات پر نظر بد کا اتہام لگائیں۔ خدا کی پناہ۔

اعتراض ۷: یوسف علیہ السلام نے عزیز مصر کی بیوی زلیخا سے گناہ کا ارادہ کیا جسے رب فرما رہا ہے: ولقد ھمت بہٖ وھم بھالولا ان راٰبرھان ربہٖ o (یوسف:۲۴) یعنی زلیخا نے یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام کا اور انہوں نے زلیخا کا ارادہ کرلیا اگر اپنے رب کی برھان نہ دیکھتے، تو نہ معلوم کیا ہو جاتا ہے۔ دیکھو یہ کتنا بڑا گناہ تھا جو یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام سے صادر ہوا؟

جواب: یوسف علیہ السلام ارادۂ گناہ تو کیا اس خیال سے بھی محفوظ رہے جو کہے کہ انہوں نے اس کا ارادہ کرلیا تھا وہ کافر ہے۔ روح البیان میں اسی آیت کی تفسیر میں ہے:

فمن نسب الی الانبیاء الفواحش کالعزم علی الزنٰی و نحوہ الذی یقولہ الحشویۃ فی یوسف کفر لانہٗ شتم لھم کذا فی القنیۃ o (جس کسی نے انبیاء پر فواحش کا الزام لگایا جسے ارادۂ زنا یا اس کی مثل جیسا کہ حشویہ فرقہ یوسف علیہ السلام کے بارے میں کہتا ہے تو وہ کافر ہو گیا کیونکہ یہ انبیاء کے حق میں گالی ہے)۔

رہا تمہارا اعتراض تو اس کا جواب یہ ہے کہ اس آیت کی دو تفسیریں ہیں ایک یہ کہ ولقد ھمت بہٖ (یوسف:۲۴) پر وقف کردو اور ھم بھا سے علیحدہ آیت شروع ہو۔ معنی یہ ہوئے کہ بیشک زلیخا نے یوسف علیہ الصلوٰۃ والسالم کا قصد کرلیا اور وہ بھی قصد کر لیتے اگر اپنے رب کی دلیل نہ دیکھتے۔ اب کوئی اعتراض نہ رہا یہ معنی نقلاً وعقلاً ہر طرح صحیح ہیں۔ خازن نے فرمایا کہ اصل عبارت یہ ہے: لولاان راٰبرھان ربہٖ لھم بھا مدارک شریف میں ہے کہ ومن حق القاری اذا قدر خروجۃ من حکم القسم وجعلۃ کلاما براسہٖ ان یقف علٰی بہٖ ویبتدی وھم بھا۔ قاری کو چاہیے کہ بہٖ پر وقف کرے اور ھم بھا یہ ہی بات قرین قیاس بھی ہے کیونکہ قرآن کریم نے اس مقام پر زلیخا کی تو تیاریاں بیان فرمائیں وغلقت الابواب وقالت ھیت لک (یوسف:۲۳) اور دروازے سب

بند کر دیئے اور بولی آؤ تم ہی سے کہتی ہوں۔'' کہ اس نے آپ کو ہر طرح راغب کرنے کی کوشش بھی کی اور بلایا بھی دروازہ بھی بند کرلیا۔مگر یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بیزاری نفرت وعصمت کا ہی ذکر فرمایا:

قال معاذ اللہ انہٗ ربی احسن مثوای انہٗ لا یفلح الظّٰلمونo(یوسف:۲۳)

ترجمہ: خدا کی پناہ وہ میرا مربی ہے اس کے مجھ پر احسانات ہیں۔ایسی حرکت ظلم ہے اور ظالم کامیاب نہیں۔

اور پھر فرمایا: کذٰلک لنصرف عنہ السوٓء والفحشآءo(یوسف:۲۴)''ہم نے یونہی کیا کہ اس سے برائی اور بے حیائی کو پھیر دیں''۔فحشاء سے زنا اور سوء سے ارادہ زنا مراد ہے۔معلوم ہوا کہ رب نے ارادہ زنا سے بھی ان کو محفوظ رکھا۔آخر کار زلیخا نے بھی یہ ہی کہا:

الْٰن حصحص الحق انا راودتہٗ عن نفسہٖ وانہٗ لمن الصّٰدقینo(یوسف:۵۱)

ترجمہ: کہ میں نے ہی انہیں رغبت دینے کی کوشش کی تھی وہ تو سچے ہیں۔

بلکہ شیر خوار بچے سے بھی ان کی پاکدامنی اور زلیخا کی خطا کاری کی گواہی دلوادی کہ:

وشھد شاھد من اھلھاo(یوسف:۲٦)

ترجمہ: اور عورت کے گھر والوں میں سے ایک گواہ نے گواہی دی۔

عزیز مصر نے یہ بھی کہا:

یوسف اعرض عن ھٰذا واستغفری لذنبک انک کنت من الخٰطینo(یوسف:۲۹)

ترجمہ: اے زلیخا تم اپنے گناہ سے توبہ کرو تم ہی خطا کار ہو۔

دیکھو شیر خوار بچے،عزیز مصر،خود زلیخا بلکہ خود رب تعالیٰ نے ان کے بے گناہ ہونے پر گواہیاں دیں۔اگر زلیخا کی طرح وہ بھی معاذ اللہ ارادہ گناہ کر لیتے تو آپ بھی ملزم ہوتے اور یہ گواہیاں غلط ہو جاتیں اور وہاں صرف یہ ہوتا کہ زلیخا نے جرم کی ابتدا کی مگر بعد میں آپ بھی معاذ اللہ شریک ہو گئے۔نیز اگر یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارادۂ زنا کیا ہوتا تو انکی توبہ اور استغفار کا ذکر ضرور آتا۔تفسیر مدارک میں ہے:

ولانہٗ لو وجد منہ ذٰلک لذکرت توبتہٗ واستغفارہٗo

ترجمہ: اس لیے کہ بے شک اگر ان میں ارادہ پایا جاتا تو ان کی توبہ واستغفار کا ضرور ذکر ہوتا۔

غرضکہ اس آیت کے یہ معنی کرنا بہت بہتر ہیں کہ وہ بھی ارادہ کر لیتے اگر رب کی برھان نہ دیکھتے، تفسیر کبیر نے فرمایا لولا کا جواب اس پر مقدم بھی ہوسکتا ہے جیسے آیت میں ہے:

ان کادت لتبدی بہٖ لولآ ان ربطنا علٰی قلبھا o (قصص:۱۰) تفسیر کبیر آیت ولقد ھمت بہٖ دوسری تفسیر یہ ہے کہ بہٖ پر وقف نہ کرو بھا تک ایک ہی جملہ مانو اور آیت کے معنی یہ ہوں کہ بیشک زلیخا نے یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام کا اور انہوں نے زلیخا کا ھم کرلیا۔ لیکن اب ان دونوں ھموں میں فرق کرنا ضروری ہے۔ ھمت بہٖ میں ھم کے معنی ارادۂ زنا ہیں اور ھم بھا میں اس کے معنی ہیں قلب کی غیر اختیاری رغبت جس کے ساتھ قصد نہیں ہوتا یعنی زلیخا نے تو یوسف علیہ السلام کا ارادہ کیا اور انکے دل میں رغبت غیر اختیار پیدا ہوئی جو کہ گناہ ہے نہ جرم جیسے کہ روزہ میں ٹھنڈا پانی دیکھ کر اس طرف دل راغب تو ہوتا ہے مگر اس کے پی لینے کا ارادہ تو کیا خیال تک نہیں ہوتا۔ صرف ٹھنڈا ٹھنڈا پانی اچھا معلوم ہوتا ہے۔ اگر دونوں ھموں کے ایک ہی معنی ہوتے تو دو جگہ یہ لفظ نہ بولا جاتا۔ بلکہ ولقد ھما تثنیہ سے کہہ دینا کافی تھا یعنی ان دونوں نے قصد کرلیا۔ دیکھو مکروا ومکر اللہ (آل عمران:۵۴) کہ یہاں پہلے مکر کے معنی ہی اور ہیں اور دوسرے مکر کا مقصد ہی کچھ اور۔ تفسیر خازن میں ہے:

قال الامام فخر الدین ان یوسف علیہ السلام کان بریئا من العمل الباطل والھم المحرم

ترجمہ: امام فخر الدین فرماتے ہیں کہ بے شک یوسف علیہ السلام عمل باطل اور حرام ارادے سے بری ہیں۔

خیال رہے کہ زلیخا نے دروازہ پر عزیز مصر کو دیکھ کر یوسف علیہ السلام کو زنا کی تہمت نہ لگائی بلکہ ارادۂ زنا کی کہا۔

قالت ماجزآء من اراد باھلك سوٓء الا ان یسجن o (یوسف:۲۵)

ترجمہ: جو تیری بیوی کے ساتھ برائی کا ارادہ کرے اس کی سزا جیل کے سوا اور کیا ہے۔

اسی کی تردید یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمائی کہ:

ھی راودتنی عن نفسی o (یوسف:۲٦)

ترجمہ: بدکاری کا ارادہ اسی نے کیا تھا۔

اس کی تردید شیر خوار بچہ نے بھی کی اور اس کی تردید خود عزیز مصر نے قمیض مبارک پھٹی ہوئی دیکھ کر کی کہ کہا انہٗ من کیدکن (یوسف:۲۸) "بے شک یہ تم عورتوں کا فریب ہے"۔ اور اس کی تردید مصری عورتوں نے بھی کی اور اس کی تردید آخر کار خود زلیخا نے بھی کر کے اپنا جرم قبول کرلیا اب اگر ھم بھا کے یہ معنی ہوں کہ یوسف علیہ السلام نے

ارادۂ زنا کرلیا تھا تو لازم آتا ہے کہ رب تعالیٰ نے زلیخا کی تائید کی اوران سب حضرات کی تردیداور یہ کلام کے مقصد کے خلاف ہے۔ یہ تقریر بہت خیال رہے انشاء اللہ کام آئے گی۔

اعتراض ۸: موسیٰ علیہ السلام نے ایک قبطی کو جان سے ماردیا اور فرمایا:

هٰذا من عمل الشيطٰنo (قصص:۱۵)

ترجمہ: کہ یہ شیطانی کام ہے۔

معلوم ہوا کہ آپ نے ظلماً قتل کیا جو کہ بڑا جرم ہے۔

جواب: آپ کا ارادہ قتل کا نہ تھا بلکہ قبطی ظالم سے مظلوم اسرائیلی کو چھڑانا تھا۔ جب قبطی نے نہ چھوڑا۔ آپ نے ہٹانے کیلئے چپت لگادی۔ وہ طاقت نبی کی نہ برداشت کرسکا، مرگیا تو یہ قتل خطأً ہوا اور انبیاء سے خطا ہوسکتی ہے نیز یہ واقعہ اعطائے نبوت سے پہلے کا ہے۔ روح البیان میں ہے: كان هٰذا قبل النبوة نیز وہ قبطی کافر حربی تھا جس کا قتل جرم نہیں۔ آپ نے تو ایک ہی قبطی کو مارا۔ کچھ دنوں بعد تو سارے ہی قبطی غرق کردیے گئے۔ رہا اس فعل کو عمل شیطان فرمانا۔ یہ آپ کی انتہائی کسر نفسی اور عاجزی کا اظہار ہے کہ خلاف اولیٰ کام کو بھی اپنی خطا سمجھا۔ یعنی یہ کام وقت سے پہلے ہو گیا۔ جب قبطیوں کی ہلاکت کا وقت آتا تو یہ بھی ہلاک ہوتا فغفر له (قصص:۱۶) اور ظلمت نفسي (قصص:۱۶) سے دھوکا نہ کھاؤ کہ یہ الفاظ خطا پر بھی بولے جاتے ہیں یا هٰذا سے قبطی کا ظلم مراد ہے یعنی یہ ظلم شیطانی کام ہے۔

اعتراض ۹: رب تعالیٰ نے ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے فرمایا: ووجدك ضالاً فهدٰیo (الضحیٰ:۷) معلوم ہوا کہ آپ بھی (معاذ اللہ) پہلے گمراہ تھے بعد کو ہدایت ملی۔

جواب: یہاں جو کوئی ضال کے معنی گمراہ کرے وہ خود گمراہ ہے۔ رب فرماتا ہے:

ماضل صاحبكم و ما غوٰیo (نجم)

ترجمہ: تمہارے محبوب ﷺ نہ کبھی گمراہ ہوئے نہ بہکے۔

یہاں ضال کے معنی وارفتہ محبت الٰہی علیہ السلام اور ہدایت سے مراد درجہ سلوک ہے یعنی رب نے آپ کو اپنی محبت میں سرشار اور وارفتہ پایا تو آپ کو سلوک عطا فرمایا۔ برادران یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام نے یعقوب علیہ الصلوٰۃ والسلام سے عرض کیا تھا: انك لفي ضلٰلك القديمo (یوسف:۹۵) ”بیٹے بولے خدا کی قسم آپ اپنی اسی پرانی خود رفتگی میں ہیں“ یا ان ابانا لفي ضلٰل مبينo (یوسف:۸) ”بے شک ہمارے باپ صراحتاً ان کی محبت میں ڈوبے ہوئے ہیں۔“

یہاں **ضل** بمعنی وارفتگی محبت ہیں۔

شیخ عبدالحق نے مدارج النبوت جلد اول باب پنجم میں فرمایا کہ عربی میں ضال وہ اونچا درخت ہے جس سے گمے ہوئے لوگ ہدایت پائیں یعنی اے محبوب ہدایت دینے والا بلند و بالا درخت رب نے تمہیں کو پایا کہ جو عرش و فرش ہر جگہ سے نظر آئے لہٰذا تمہارے ذریعہ خلقت کو ہدایت دے دی یعنی **ھدیٰ** کا مفعول عام لوگ ہیں نہ کہ نبی ﷺ اور بھی اس کے بہت سے معانی کیے گئے ہیں۔

اعتراض ۱۰: رب فرماتا ہے: **لیغفر لك الله ماتقدم من ذنبك و ما تاخر** (فتح:۲) ''یعنی تا کہ رب تعالیٰ تمہارے اگلے پچھلے گناہ معاف کرے۔'' معلوم ہوا کہ آپ گنہگار تھے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام بھی ہمیشہ اپنے لیے دعائے مغفرت کرتے تھے اگر گنہگار نہ تھے تو استغفار کیسی؟

جواب: اس کے چند جواب ہیں: ایک یہ کہ مغفرت سے مراد عصمت اور حفاظت ہے۔ مطلب یہ کہ اللہ آپ کو ہمیشہ گناہوں سے محفوظ رکھے۔ روح البیان:

المراد بالمغفرۃ الحفظ و العصمۃ ازلا وابدا۔ فیکون المعنیٰ یحفظك ویعصمك من الذنب المتقدم و المتآخرo

دوسرے یہ کہ ذنب سے نبوت سے پہلے کی خطائیں مراد ہیں۔ تیسرے یہ کہ **ذنبك** میں ایک مضاف پوشیدہ ہے یعنی آپ کی امت کے گناہ جیسا کہ **لك** فرمانے سے معلوم ہوا۔ یعنی تمہاری وجہ سے تمہاری امت کے گناہ معاف کرے اگر آپ کے گناہ مراد ہوتے تو **لك** سے کیا فائدہ ہوتا (روح البیان وخازن) اس آیت تفسیر دوسری آیت ہے: **ولو انهم اذظلموآ** (النساء:۶۴) کبھی گناہ کی نسبت گنہگار کی طرف ہوتی ہے اور کبھی بخشش کے ذمہ دار کی طرف جیسے مقدمہ کبھی مجرم کی طرف منسوب ہوتا ہے اور کبھی وکیل کہتا ہے کہ یہ میرا مقدمہ ہے جس کا میں ذمہ دار ہوں۔ یہاں نسبت دوسری طرح کی ہے یعنی آپ کے ذمہ والے گناہ جن کی شفاعت کے آپ ذمہ دار ہیں۔

اعتراض ۱۱: حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے رب نے فرمایا:

ولولا ان ثبتنٰك لقد كدت تركن اليهم شيئا قليلاo (لاسراء:۷۴)

ترجمہ: اگر ہم آپ کو نہ ثابت قدم رکھتے تو قریب تھا کہ آپ کفار کی طرف کچھ مائل ہو جاتے۔

اس سے معلوم ہوا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کفار کی طرف مائل ہو چلے تھے مگر رب نے روکا۔ اور کفر کی طرف

میلان بھی گناہ ہے۔

جواب: اس کے چند جواب ہیں: ایک یہ کہ اس میں شرط و جزا ہے یعنی یہ قضیہ شرطیہ ہے جس میں دونوں مقدموں کا ہونا تو کیا امکان بھی ضروری نہیں۔ رب فرماتا ہے:

قل ان کان للرحمٰن ولد فانا اول العٰبدینo (زخرف:۸۱)

ترجمہ: اگر رب کا بیٹا ہوتا تو اس کا پہلا پجاری میں ہوتا۔

نہ خدا کا بیٹا ہونا ممکن اور نہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کا اس کی پوجا کرنا۔ ایسے ہی یہاں نہ تو رب تعالیٰ کا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو محفوظ نہ رکھنا ممکن اور نہ آپ کا ان کی طرف مائل ہونا ممکن۔ دوسرے یہ کہ یہاں فرمایا گیا کہ اگر ہم آپ کو پہلے ہی سے معصوم اور ثابت قدم نہ فرما چکے ہوتے تو آپ ان کی طرف کسی قدر جھکنے کے قریب ہو جاتے کیونکہ ان کے مکر و فریب بہت سخت خطرناک تھے، یعنی چونکہ آپ معصوم ہیں لہٰذا آپ کفار کی طرف نہ جھکے بلکہ جھکنے کے قریب نہ بھی ہوئے۔ اس سے تو آپ کی عصمت ثابت ہوئی۔ دیکھو خازن، مدارک، روح البیان، تیسرے یہ کہ ایک تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی طبیعت مبارکہ ہے دوسرے آپ کی نبوت اور عصمت الٰہی۔ اس آیت سے معلوم ہوا کہ نبوت وعصمت سے قطع نظر کرتے ہوئے بھی آپ کی فطرت پاک عیب اور گناہوں سے ایسی پاک ہے جس میں اس کی صلاحیت ہی نہیں کیونکہ آپ کی روحانیت بشریت پر غالب ہے۔ یعنی اگر ہم آپ کو معصوم نہ بھی بناتے تب بھی آپ کفار سے ملتے نہیں، ان کی طرف جھکتے نہیں بلکہ کچھ جھکنے کے قریب ہو جاتے اب جبکہ فطرت سلیمہ پر رب کا یہ کرم ہوا کہ آپ کو معصوم بھی بنایا، سر مبارک پر نبوت کا تاج بھی رکھا۔ اب تو سبحان اللہ کیا ہی کہنا۔ کسی قصور کی گنجائش ہی نہیں۔ اس کی تفسیر میں روح البیان میں ہے:

انما سماہٗ قلیلا لان روحانیۃ النبی کانت فی اصل الخلقۃ غالبۃ علی البشریتہٖ اذلم یکن حینئذ لروحہٖ شی ء یحجب عن اللہ تعالیٰ فالمعنٰی لولا التثبیت وقوۃ النبوۃ ونور الھدایۃ واثر نظر لعنایۃ لقد کدت ترکنo

اعتراض ا: رب تعالیٰ فرماتا ہے: ماکنت تدری ماالکتٰب ولا الایمانo (شوریٰ:۵۲) ''اے نبی! آپ نہ جانتے تھے کہ کتاب کیا چیز ہے اور نہ یہ کہ ایمان کیا ہے۔'' معلوم ہوا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام پیدائشی عارف باللہ نہیں آپ کو تو ایمان کی خبر بھی نہ تھی۔

جواب: اس کے چند جواب ہیں: ایک یہ کہ یہاں علم کی نفی نہیں بلکہ درایت یعنی اٹکل اور قیاس سے جاننے کی نفی ہے۔ پوری آیت یہ ہے:

وکذٰلک اوحینآ الیک روحا من امر نا ما کنت تدری ماالکتٰبo (شوریٰ:۵۲)

ترجمہ: یعنی ہم نے آپ پر اپنے فضل سے قرآن وحی کیا۔ آپ خود بخود نہ جانتے تھے۔

یعنی اس علم کا ذریعہ وحی الٰہی ہے نہ کہ محض اٹکل وقیاس۔ دوسرے یہ کہ اس سے پیدائش مبارک کا حال نہیں بیان ہورہا بلکہ نور محمدی کی پیدائش کا حال ہے۔ یعنی ہم نے آپ کو عالم ارواح میں سفید اور سادہ پیدا فرمایا تھا۔ پھر اس پر علوم کے نقش ونگار فرما کر نبوت کا تاج سر پر رکھ کر دنیا میں بھیجا۔ آپ عالم ارواح میں ہی نبی تھے خود فرماتے ہیں:

کنت نبیا واٰدم بین المآء والطینo

ترجمہ: ہم اس وقت نبی تھے جبکہ آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام مٹی اور پانی میں جلوہ گر تھے۔

تیسرے یہ کہ اس سے ایمان اور قرآن کے تفصیلی احکام مراد ہیں۔ یعنی آپ وحی سے پہلے احکام اسلامی تفصیل وار نہ جانتے تھے۔ اس کی تفسیر میں روح البیان میں ہے:۔

ای الا یمان بتفاصیل مافی تضاعیف الکتٰبo

پھر فرماتے ہیں:

لانہٗ علیہ السلام افضل من یحیٰی وعیسٰی وقد اوتی کل الحکم والعلم صبیاo

ترجمہ: یعنی نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام یحییٰ اور عیسیٰ علیہما السلام سے افضل ہیں اور انہیں تو علم وحکمت بچپن ہی میں عطا ہوگئی تھی۔

تو یہ کیونکر ممکن ہے کہ آپ بچپن شریف میں علم سے خالی رہے ہوں۔

اعتراض ۱۳: رب فرماتا ہے:

فازلھما الشیطٰنo (بقرہ:۳۶)

ترجمہ: آدم وحوا علیہما السلام کو شیطان نے پھسلا دیا۔

معلوم ہوا کہ شیطان کا داؤ انبیاء پر چل جاتا ہے۔ پھر تم نے کیوں کہا کہ شیطان ان تک نہیں پہنچ سکتا۔

جواب: ہم نے یہ کہا کہ شیطان انہیں گمراہ نہیں کرسکتا اور نہ ان سے عمداً گناہ کبیرہ کراسکتا ہے۔ اس نے خود کہا

تھا: لا غوینهم اجمعين ٥الا عبادك منهم المخلصين٥ (ص:٨٣) ''میں ان سب کو گمراہ کردوں گا مگر جوان میں تیرے چنے ہوئے بندے ہیں۔'' اور یہاں ہے: فـازلهـمـا الشيطـن٥ (بقرہ:٣٦) ''گمراہی اور چیز ہے اور پھسلانا اور چیز ہے۔''

اعتراض ۱۴: یوسف علیہ السلام کے بھائیوں کو بہت سے لوگوں نے پیغمبر مانا ہے۔ حالانکہ انہوں نے بڑے بڑے گناہ کیئے، بے قصور بھائی کو ستانا، آزاد بھائی کو بیچ کر اس کی قیمت کھانا، اپنے والد سے جھوٹ بول کر انہیں چالیس سال تک رلانا۔ غرض یہ کہ جرموں کی انتہا کردی اور پھر بھی نبی ہوئے۔ معلوم ہوا کہ نبی کا معصوم ہونا شرط نہیں۔

جواب: جمہور علماء نے انہیں پیغمبر نہ مانا۔ ہاں ایک جماعت نے کچھ ضعیف دلائل سے ان کی نبوت کا وہم کیا ہے اس لئے ہم نے مقدمہ میں عرض کیا کہ انبیائے کرام کا نبوت سے پہلے بدعقیدگی سے پاک ہونا اجماعی مسئلہ ہے۔ اور گناہ کبیرہ سے پاک ہونا جمہور کا قول ہے اور بعد نبوت گناہ کبیرہ سے پاک ہونے پر بھی اجماع ہے۔ ان حضرات کی نبوت کسی صریحی آیت یا حدیث یا قول صحابی سے ثابت نہیں۔ رب نے یہ فرمایا ہے:

ويتم نعمتهٗ عليك وعلٰى اٰل يعقوب٥ (یوسف:٦)

ترجمہ: ''اور تجھ پر اپنی نعمت پوری کرے گا اور یعقوب کے گھر والوں پر۔''

یہاں نعمت سے نبوت مراد نہیں اور نہ آل یعقوب سے ان کی صلبی ساری اولاد مراد ہے۔ رب نے مسلمانوں سے فرمایا: اتممت عليكم نعمتى (مائدہ:٣) ''تم پر اپنی نعمت پوری کردی''۔ بعضوں نے کہا کہ رب فرماتا ہے: ومآ انزل الٰى ابرٰهيم واسمٰعيل واسحٰق ويعقوب والا سباط٥ (بقرہ:١٣٢) ''اور جو اتارا گیا ابراہیم واسماعیل واسحاق ویعقوب اور ان کی اولاد پر''۔ یعقوب علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بارہ بیٹے ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ یہ بھی سب صاحب وحی تھے۔ مگر یہ بھی کمزور سی بات ہے کیونکہ نہ تو انزل میں بلا واسطہ وحی کا بیان ہے نہ اس کی کوئی دلیل ہے کہ اسباط ان کے بیٹوں ہی کا لقب ہے۔ رب فرماتا ہے:

قولوٓ اٰمنا بالله ومآ انزل الينا ومآ انزل الٰى ابرٰهم الآیۃ (بقرہ:١٣٢) ''یوں کہو ہم ایمان لائے اللہ پر اور اس پر جو ہماری طرف اترا اور اتارا گیا ابراہیم پر'' یہاں انزل الينا کا یہ مطلب نہیں کہ ہم سب پر وحی آئی اور ہم سب پیغمبر ہیں اور اسباط نبی اسرائیل کے بارہ قبلیوں کا لقب ہے اور واقعی ان میں انبیاء آتے رہے۔ رب فرماتا ہے:

وقطعنٰهم اثنتى عشرة اسباطا امما (اعراف:١٦٠) ''اور ہم نے انہیں بانٹ دیا بارہ قبیلے گروہ گروہ۔''

تفسیر روح المعانی میں ان الشیطٰن للانسان عدو مبینo (یوسف) کی تفسیر میں ہے:

فالذی علیہ الاکثرون سلفا وخلفا انھم لم یکونو انبیاء اصلا اما السلف فلم ینقل عن الصحابۃ منھم انہٗ قال بنبوتھم (پس اسی پر ہیں اکثر پہلے اور بعد والے کہ وہ انبیاء نہیں ہیں)۔

اسی طرح تفسیر روح البیان وغیرہ نے بھی ان کی نبوت کی بہت تردید کی۔ ہاں وہ سب حضرات توبہ کے بعد اولیاءاللہ بلکہ پیغمبر کے صحابی ہوئے۔ انہیں یوسف علیہ السلام نے خواب میں تاروں کی شکل میں دیکھا کیونکہ وہ صحابی نبی تھے۔ حضور فرماتے ہیں: اصحابی کالنجوم نیز ان کے یہ سارے گناہ یعقوب علیہ الصلوٰۃ والسلام کی محبت حاصل کرنے کے لیے تھے۔ پھر انہوں نے ان سے بھی اور یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام سے بھی معافی حاصل کر لی اور ان دونوں حضرات نے ان کے لیے دعائے مغفرت کی لہٰذا یہ مغفور ہوئے۔ ان کی شان میں گستاخی سخت محرومی کی علامت ہے، قابیل نے ایک عورت کی محبت میں گناہ کیا اور پھر آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام سے معافی بھی حاصل نہ کر سکا لہٰذا وہ بے ایمان رہا اور یہ ایماندار ہوئے۔

اعتراض ۱۵: قرآن کریم سے ثابت ہے کہ زلیخا نے ارادۂ زنا کیا جو کہ سخت جرم ہے اور تم کہہ چکے ہو کہ نبی کی بیوی فاحشہ نہیں ہوتی تو زلیخا یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بیوی کیونکر ہو سکتی ہے۔ وہ فاحشہ بدکار تھی لہٰذا یا تو مانو کہ ان کا نکاح نہیں ہوا یا یہ قاعدہ غلط ہے۔

نوٹ: گجرات کے بعض جاہل دیوبندیوں نے حضرت زلیخا کے زوجہ یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام ہونے کا انکار کیا اور ان کی شان میں سخت گندے الفاظ بکے۔ انہیں کا یہ اعتراض ہے۔

جواب: حضرت زلیخا یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زوجہ اور قابل احترام بیوی ہیں۔ ان کا یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام کے نکاح میں آنا مسلم بخاری کی حدیث اور عام تفاسیر سے ثابت ہے انہیں سے یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام کے فرزند پیدا ہوئے، افرائیم اور میشاء۔

تفسیر خازن، تفسیر کبیر، مدارک، معالم التنزیل وغیرہ میں اس کی تصریح ہے چنانچہ حضور ﷺ نے جناب ام المومنین عائشہ صدیقہ اور اپنی دوسری ازواج پاک سے فرمایا:

انکن لانتن کصواحب یوسفo

ترجمہ: تم تو یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بیوی کی طرح ہو گئیں۔

یعنی زلیخا کی ،صواحب صاحبہ کی جمع ہے۔صاحبہ بیوی کو کہتے ہیں۔قرآن مجید میں ہے:ولم تکن لہٗ صاحبة (انعام:۱۰۱)''جب کہ نہیں ہے اس کی بیوی''۔آپ نہ تو فاحشہ تھیں نہ آپ سے زنا جیسا گناہ کبھی صادر ہوا۔بیوی زلیخا سے ارادہ جماع بیخودی 'عشق کی حالت میں ہوگیا۔جمال یوسف نے انہیں وارفتہ و دیوانہ بنا دیا۔اس والہانہ حالت میں یہ ارادہ کر بیٹھیں،جب مصری عورتوں نے اسی جمال سے بے خود ہوکر اپنے ہاتھ کاٹ ڈالے تو اگر حضرت زلیخا نے اس حسن پر فریفتہ ہوکر دامن صبر چاک کر دیا تو کیا تعجب ہے؟ پھر ان تمام خطاؤں سے توبہ کر لی،یہ بھی خیال رہے کہ زلیخا نے صرف یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام سے ہی رغبت کی ،نہ کہ کسی دوسرے سے۔رب نے انہیں ہر طرح محفوظ رکھا۔ہم نے انبیاء کی بیویوں کو زنا اور فحش سے محفوظ مانا ہے نہ کہ معصوم۔حضرت زلیخا نے یہ گناہ کر کے توبہ کر لی کہ عرض کیا:الْئٰن حصحص الحق انا راودتہٗ عن نفسہٖo (یوسف:۵۱)''اب اصلی بات کھل گئی میں نے ان کا جی لبھانا چاہا تھا''۔زلیخا نے اپنی خطا کا اقرار کیا اور اقرار جرم توبہ ہے،اسی لیے رب تعالیٰ نے زلیخا کی خطا کا ذکر تو فرمایا مگر ان پر عتاب یا عذاب کا ذکر نہ کیا،تاکہ معلوم ہوا کہ ان کے گناہ کی معافی ہو چکی۔اب ان کی خطاؤں کا بے ادبی کے طور پر ذکر کرنا سخت برا ہے۔ان سے زنا یا فحش کبھی صادر نہیں ہوا۔نہ معلوم دیوبندیوں کی کس شیطان نے عقل ماردی کہ ان کا حملہ ہمیشہ انبیائے کرام کی عزت وآبرو پر ہوتا ہے۔حضرت زلیخا یوسف علیہ السلام کی اہل بیت ہیں ان کی توہین اس باکمال پیغمبر کی توہین ہے۔رب تعالیٰ عقل سلیم عطا فرمائے۔

خاتمہ

خیال رہے کہ رب تعالیٰ انبیاء کرام کا رب ہے اور وہ حضرات اس کے پیارے بندے،رب جس طرح چاہے ان کی لغزشوں اور خطاؤں کا ذکر فرمائے اور یہ حضرات جیسے چاہیں اپنے رب سے اپنی نیازمندی اور بندگی کا اظہار کریں۔ہمیں کسی طرح حق نہیں کہ ان کی لغزشوں کو بیان کرتے پھریں یا گستاخیاں کر کے اپنا نامہ اعمال سیاہ کر لیں۔رب تعالیٰ نے ہم کو ان کی تعظیم وتوقیر کا حکم دیا۔دیکھو یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام چونکہ مصر میں بظاہر فروخت ہوئے تھے اہل مصر سمجھے تھے یہ عزیز مصر کے زرخرید ہیں۔رب تعالیٰ نے اسی داغ کو ان کے دامن سے مٹانے کے لیے سات سال کی عام قحط سالی بھیجی۔پہلے سال میں سب نے آپ کو روپیہ پیسہ دے کر غلہ خریدا،دوسرے سال زیور و جواہرات دے کر،تیسرے سال جانور اور چوپائے دے کر،چوتھے سال اپنے غلام باندیوں دیکر،پانچویں سال اپنے مکانات وزمین

دیکر، چھٹے سال اپنی اولاد دے کر، ساتویں سال مصر والوں نے اپنے کو یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ہاتھ فروخت کر دیا اورعرض کیا کہ ہم آپ کے لونڈی غلام بنتے ہیں ہمیں غلہ دو۔ تب آپ نے ان پر احسان فرمایا۔ (مدارک وروح البیان وغیرہ) یہ کیوں ہوا؟ صرف اس لیے کہ جب سارے مصر والے آپ کے غلام بن گئے تو آپ انہیں غلام کہے۔ پتا چلا کہ ایک پیغمبر کی عظمت برقرار رکھنے کے لئے سارے جہان کو مصیبت میں ڈالا جا سکتا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں ایک امام ہمیشہ نماز میں سورۂ عبس پڑھتا تھا۔ آپ کو پتا لگا تو اسے قتل کرا دیا۔ دیکھو روح البیان تفسیر سورہ عبس اس سورۃ کی نہایت عمدہ تفسیر ہماری شان حبیب الرحمٰن میں دیکھو جس میں ثابت کیا گیا ہے کہ یہ حضور کی نعت ہے رب تعالیٰ دیوبندیوں کو ہدایت دے۔

انہوں ں نے انبیاء کرام پر بکواس بکنے کی جرأت پیدا کر دی۔

وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ خیر خلقہٖ ونور عرشہٖ سیدنا و مولانا محمد والہٖ و اصحابہٖ اجمعین۔